(قسط نمبر ۱۶)

فلسفہ، علم اور قرآن

پر ایمان کی کہانی

الشیخ ندیم الجسر ——— کو ——— (اُردو ترجمہ) ڈاکٹر پیر محمد حسن

ان دو اصولوں کی بنا پر (یعنی مبداء تناقض اور مبداء علت کافیہ) ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم ممکن کو جان لیں۔ اور واقع ہونے والے کی علت بیان کر سکیں۔ کسی چیز کے واقع ہونے کا حکم لگانے کے لئے (اصول تناقض کی بنا پر) ہمارے لئے یہ سوال کرنا کافی ہے:۔ کیا اس کے حصول اور وقوع کا تصور تناقض عقلی کو مستلزم ہے یا نہیں۔ اگر اس کے واقع ہونے کا تصور تناقض عقلی کے لئے لازم ہو تو ہم یہ فیصلہ کر دیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ اگر اس کے واقع ہونے کا تصور تناقض عقلی کو لازم قرار نہ دے تو ہم یہ فیصلہ دیں گے کہ وہ ممکن ہے خواہ عقل اسے بعید ہی کیوں نہ سمجھتی ہو۔ یا اس کے تصور سے عاجز ہو۔ اسی طرح اگر ہم کسی چیز کے وجود کے واجب ہونے کا حکم لگا سکیں تو ہم یہ سوال کریں گے:۔ کیا اس کے عدم وجود کا تصور تناقض عقلی کو مستلزم ہے یا نہیں۔ اگر اس کے عدم وجود[1] کا تصور تناقض عقلی کو مستلزم ہے تو ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ واجب الوجود ہے ورنہ نہیں۔ اس کے بعد ہم اس واقع ہونے والے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم مبداء علت کافیہ کی بنا پر دیکھتے ہیں کہ اس واقع ہونے والے کے لئے اس کے واقع ہونے کی علت کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ علت اس کے واقع ہونے کے لئے علت کافیہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں علت کافیہ کا وجود ایک ایسا امر ہے جو عقلاً واجب ہے۔ اور اس علت کافیہ کا انکار تناقض عقلی کا موجب ہے۔ اس لئے کہ یہ واجب کی نوع ہے۔

اسی مضبوط عقلی بنیاد پر لائبنیز نے وجود، عدم سے ایجاد اور موجد کے متعلق اپنی آراء کی بنا رکھی چنانچہ اس کا اللہ پر ایمان ہے۔ اور عالم کو عدم سے پیدا کئے جانے پر ایمان ہے۔ نیز اس کا ایمان ہے کہ اس کا

---

[1] اصل کتاب میں یہاں طباعت کی غلطی کی وجہ سے یوں چھپا ہے:۔ اذ جب عدم تصور وجودہ۔ اسے یوں پڑھیں اذ جب تصور عدم وجودہ اور میں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

جہاں کا خالق خدا ہی ہے جو ہر قسم کی صفتِ کمال سے متصف ہے۔

ور دہ یوں کہ اُس نے دلیل سے ثابت کیا کہ اللہ کے وجود کا خیال ممکن ہے۔ اس لئے کہ اس سے کسی قسم کا تناقض لازم نہیں آتا۔ نیز اس نے اس بات کی بھی دلیل دی کہ عدم سے پیدا کرنا ممکن ہے۔ اس لیے کہ اس کا تصور بھی کسی قسم کے تناقض کو متلزم نہیں، اگرچہ عقل اس کے تصور سے عاجز ہی کیوں نہ ہو۔ پھر وہ اس جہان واقعی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ واقعی ہے۔ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یہ موجود ہے۔ اس نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا۔ اس لئے یہ کہنا کہ اس نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، اس سے تناقض عقلی لازم آتا ہے۔ اور جب کہ وہ واقعی ہے، اس کے وجود کے لئے علت کافیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ علت کافیہ کے بغیر موجود نہ ہوگا۔ اور وہ تو واقعی اور موجود ہے۔ اور اس کے وجود کے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جب تک یہ موجود ہے اور اس میں یہ نظام اور یہ مضبوطی حد کمال تک پہنچی ہوتی ہے، اس کے وجود کے لئے علت کافیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں کہ انتہائی قدرت، حکمت اور تمام صفاتِ کمال ہوں۔ یہ علت کافیہ اللہ ہی ہے جو واجب الوجود ہے۔ اور جس کے وجود کا انکار تناقض عقلی کا موجب ہے۔

حیران: یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ میں نے اس سے زیادہ قوی دلیل اور قاطع برہان نہیں سنی۔

شیخ: اے حیران! مگر قرآن میں مگر اس قرآن میں جس کے پڑھنے کی تمہاری ماں نے تمہیں ترغیب دی ہے

حیران: میرا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا کلام بہت ہی بلند حجت اور سچی دلیل کا حامل ہے لیکن اس باب میں جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، میں اس بلاغت کے اسرار کو نہیں سمجھ سکا۔ اگر یہ جہاں تک لغت کا تعلق ہے، میں کچھ نہ کچھ سمجھتا ہوں۔ آپ ان اسرار کی وضاحت کیوں نہیں فرماتے۔

شیخ: اکثر علماء لغت کے اعتبار سے قرآن کی بلاغت پر بحث کرتے ہیں۔ مگر قرآن کی عظیم بلاغت اور سحر کر لینے والا بیان اور غالب اعجاز اس باب کے اندر (یعنی اللہ کے وجود، اس کی صفات کمال جہاں کی پیدائش اور منکرین و ملحدین کے رد کا باب) زیادہ واضح زیادہ عظیم اور وافر ہے۔

اے حیران! میں نے تم سے اس کی وضاحت کا وعدہ کیا ہے، جب اس کا وقت آئے گا تو میں اسے بیان کروں گا۔

حیران: جب اللہ کے وجود، اُس کے کمال اور اس کی مخلوق کے متعلق لا تیفنز کی یہ رائے ہے تو اس کے

میں لغزش کہاں پائی گئی۔

شیخ: اس نے صرف اُس وقت لغزش کھائی، جب اس نے روح اور جسم کے درمیان اتصال کی علت بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ اور یہ ایسا امر ہے جس میں عقلیں حیران ہیں۔ اس نے ایک ایسی تشریح گھڑی جو بہت حد تک موافقت اور یکسانیت میں مالبرانش کی رائے سے مشابہ ہے۔ لیکن اس نے اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ اس نے امکانِ عقلی کی حدود[1] سے شروع کیا ہے اور اسی جہ یت تک جا پہنچا ہے جو اللہ کی حکمت و کمال کے شایانِ شان نہیں ہے۔ جس طرح مالبرانش نے پہلے کہا ہے۔

اس نے کہا ہے کہ عالم مع ان اجسام و ارواح کے جو اس میں ہیں ذراتِ روحیہ سے بنا ہے۔ اور ہر ذرہ دوسرے سے بالکل متصل ہوتا ہے یہ اپنے ذاتی قوانین پہ چلتا ہے، بدون اس کے کہ کسی اور ذرّے سے متصل ہو اور ہر ذرّہ میں ایک منفعل پہلو مادی ہوتا ہے اور ایک فاعل یعنی روحانی۔

حیران: جب یہ ذرات ایک دوسرے سے متصل نہیں ہوتے تو ایک دوسرے پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں۔

شیخ: لائبنیز نے اِس کے جواب میں تناسق السابق التوطید (PRE-ESTABLISHED HORMONY یعنی پہلے سے ان میں ہم آہنگی اور موافقت ہے) کا نظریہ اختراع کیا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ یہ ذرات اللہ کے ارادہ سے چلتے ہیں اور اسی کی قدرت سے اس طرح عمل کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے متصل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ متصل نہیں ہوتے لیکن اللہ کی قدرت ہر ذرّہ کو اس طرح چلاتی ہے کہ وہ دوسرے ذرات کی حرکت کے مطابق حرکت کرتی ہے۔

عقل اور جسم کا بھی یہی حال ہے عقل کا خاص اپنا نظام ہے۔ اور جسم کا خاص اپنا۔ لیکن یہ دونوں اللہ کے ارادے سے الگ الگ موافقت اور مطابقت کے ساتھ (جیسا کہ پہلے طے پا چکا) اس طرح حرکت کرتے ہیں کہ ایک کا عمل دوسرے سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ ہر عقلی حرکت کے مقابلہ میں جسم کی حرکت ہے جس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق اور اتصال ہے۔ حالاں کہ درحقیقت نہ ان کے درمیان اتصال ہے اور نہ دونوں ایک دوسرے میں اثر کرتے ہیں۔ لیکن یہ موافقت جو ہمیں دکھائی دیتی ہے، یہ اسی تناسق السابق التوطید (پہلے سے طے شدہ موافقت) کا اثر ہے جسے اللہ نے ان میں ودیعت کر رکھا

---

[1] اصل کتاب میں بدا بہ ضمن حدود الامکان العقلی دیا ہے میرے خیال میں یہ طباعت کی غلطی ہے اور میں نے اسے بدأ بہ من حدود الامکان العقلی پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

حیران: یہ نظریہ اسی اصول کی بنا پر، جسے لائبنیز نے ممکن کے بارے میں وضع کیا ہے، ناممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے تصور سے تناقض عقلی لازم نہیں آتا۔ لیکن میں خود اُسی کے اُصول کے مطابق یہ سوال کرتا ہوں:۔ کیا روح اور جسم کے درمیان پوشیدہ اتصال کے تصور کرنے میں تناقض عقلی پایا جاتا ہے؟۔ اور جب اس اتصال کے تصور سے تناقض عقلی لازم نہیں آتا اور یہ ممکن ٹھہرا اور یہی ظاہر میں قریب اور نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ مضبوط اور احسن طریقہ ہے تو کس چیز نے اسے مجبور کیا کہ وہ ہمیں اس سے بہت مشکل اور بُرے نتیجہ کی طرف دھکیل دے۔ حالاں کہ وہ ہمیں اس مشکل سے نکالنا چاہتا ہے جو ہم رُوح اور مادہ کے اتصال کے تصور سے محسوس کرتے ہیں۔

شیخ: تو سچ کہتا ہے۔ جب ہمیں معلوم ہی نہیں۔ اور نہ ہو سکتا ہے کہ ہم کبھی معلوم کر سکیں کہ روح اور جسم کے درمیان اتصال کیسے ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ اتصال ناممکن ہے۔ یہاں لائبنیز کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے ہمارے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ یہ ممکن ہے۔ کیوں کہ اس کے تصور میں تناقض عقلی لازم نہیں آتا۔ اور جب یہ ممکن ٹھہرا تو کوئی حرج نہیں کہ ہم یوں کہیں :۔ کہ یہ اللہ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس کی تشریح کریں اور ایک ایسے نظریہ سے اس کی علت بیان کریں، جس کا تصور زیادہ مشکل اور بظاہر زیادہ بعید اور اس جبریت کے زیادہ قریب ہے جو اللہ کے عدل اور حکمت کے مناسب نہیں۔

حیران: میں نے آپ سے سُنا ہے کہ لائبنیز کی رائے میں جہان انتہائی کمال پر ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے جب کہ ہم اس میں بہت سے شرور دیکھتے ہیں۔

شیخ: لائبنیز جو اپنی خوش شگونی کے لئے مشہور ہے، اس جہان میں علت کافیہ کے اصول کے پیش نظر مجموعی طور پر جو نظام، پختگی اور جمال ہے، اس سے اللہ کے کمال پر استدلال کرتا ہے۔ پھر اللہ کے کمال کے ذریعہ جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے، وہ اس بات پر دلیل پیش کرتا ہے کہ یہ جہان بہترین جہان ہے، جو عقلاً ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اس جہان کی طرف اس زاویہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ حادث معین اور محدود وقت میں ہے تاکہ کہیں ہماری نگاہیں اس شر پر مرکوز نہ ہو جائیں جو دنیا کے اندر پایا جاتا ہے، اور جو خیر اس میں پایا جاتا ہے، اُسے حقیر نہ سمجھیں۔ بلکہ ہم پر واجب ہے کہ ہم اس جہان کی طرف ایک عمومی

نظر ڈالیں جس کے ذریعہ ہم دیکھ لیں کہ یہ امور جنہیں ہم شر خیال کرتے ہیں، ان کا ہونا خیر تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے تاکہ ہم سب میں حکمت (الہٰی) کو معلوم کرلیں۔

شر کے متعلق اس کا قول۔ اور اس سے پہلے بہت سے فلاسفہ اور متکلمین اسی قسم کی بات کہہ چکے ہیں۔ مجھے جاحظ کے الفاظ یاد دلاتا ہے۔ جاحظ کے یہ الفاظ بلاغت اور حکمت کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:-

دنیا کی ابتدا سے لے کر اس کے اختتام تک تمام معاملات میں مصلحت اسی بات میں تھی کہ خیر کا شر کے ساتھ، ضرر رساں کا نفع رساں کے ساتھ، مکروہ کا خوش کن کے ساتھ، پستی کا بلندی کے ساتھ، کثرت کا قلت کے ساتھ امتزاج ہو۔ اور اگر دنیا میں صرف شر ہی ہوتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔ یا اگر صرف خیر ہی ہوتا تو آزمائش اٹھ جاتی اور غور و فکر کے اسباب منقطع ہو جاتے اور غور و فکر نہ ہوتا تو حکمت بھی نہ ہوتی اور جب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہ رہتا تو امتیاز بھی اٹھ جاتا۔ اور عالم کے لئے ثابت قدمی، استقلال اور تعلم نہ ہوتا لہٰذا نہ علم ہوتا اور نہ تدبیر، دفع مضرت اور جلب منفعت سے آگاہی ہوتی اور نہ کوئی مصیبت پر صبر کرسکتا اور نہ محبوب چیز کے حاصل کرنے پر شکر گزار ہوتا۔ نہ بیان میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی اور نہ مراتب کے حصول میں مقابلہ ہوتا۔ کامیابی کی خوشی اور غلبہ پانے کی عزت باطل ہو جاتی۔ نہ دنیا میں کوئی ایسا حق پرست ہوتا جو حق کی عزت پاتا اور نہ باطل پرست ہوتا جو باطل کی ذلت پاتا۔ اور نہ توفیق یافتہ ہوتا جو توفیق کی ٹھنڈک پاتا۔ نہ کوئی شک کرنے والا ہوتا جو حیرت کے نقصان اور خاموشی کی مصیبت اٹھاتا۔ اور نہ نفوس میں کوئی امید ہوتی اور نہ حرص و طمع انہیں الگ الگ کرتی۔ پاک ہے وہ خدا جس نے اس دنیا کے منافع کو نعمت بنایا اور اس کی مضرتوں کو ایسا بنایا کہ وہ آخر میں سب سے عظیم منفعت بن جاتی ہیں۔ اور سب میں پوری پوری مصلحت رکھی اور ان کے اجتماع سے نعمت کی تکمیل ہوتی ہے۔

حیران: یقیناً یہ کلام اعلیٰ درجہ کا بلیغ اور پُرحکمت ہے۔

شیخ: جاحظ لائبنیز سے تقریباً نو صدی قبل اس دنیا میں آیا اور چلا گیا۔ اے حیران! کیا تو نے دیکھا کہ ان ذکی و طباع لوگوں کی عقلیں کس طرح ایک دوسرے سے متفق ہوتی ہیں۔؟